9

جماعت احمدیہ لاہور کو بہت زیادہ ترقی اور حرکت کی ضرورت ہے

(فرمودہ 2مارچ 1945ء بمقام لاہور)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"پچھلے دنوں میں نے اخباروں میں پڑھا تھا کہ لاہور کی آبادی جس کے لئے راشن مہیا کرنے کی ذمہ داری گورنمنٹ نے اٹھائی ہے نو لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔ یہ پڑھ کر جہاں میں نے پنجابی لوگوں کے ترقی کے جذبہ کی تعریف کی وہاں میرے دل میں یہ احساس اور تکلیف دہ احساس بھی پیدا ہوا کہ جس نسبت سے لاہور کی آبادی بڑھی ہے اُس نسبت سے یہاں کی احمدی جماعت نہیں بڑھی۔ پہلے میں یہ خیال کر کے اپنے ذہن میں خوش تھا کہ لاہور کی آبادی تو وہیں چار پانچ لاکھ پر کھڑی ہے اور ہماری جماعت بڑھ رہی ہے۔ لیکن جب لاہور کی آبادی چار پانچ لاکھ سے بڑھ کر نو لاکھ تک ہو گئی ہے تو ہماری لاہور کی جماعت کی ترقی تبھی تسلی بخش ہو سکتی تھی کہ یہاں کی جماعت چار ہزار سے بڑھ کر دس ہزار ہو جاتی۔ گو لاہور کی جماعت نے ترقی کی ہے۔ اولاد کے ذریعہ بھی تعداد میں اضافہ ہوا ہے اور کچھ نئے آدمی بھی جماعت میں داخل ہوئے ہیں۔ مگر پھر بھی اس نسبت سے ترقی نہیں کی جس سے لاہور کی آبادی بڑھی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ متمدن ملک کے رہنے والے دنیا دار لوگوں کی توجہ زیادہ تر شہروں کی

طرف ہوتی ہے۔ جس ملک کی صنعت و حرفت ترقی کرتی ہے اس ملک کے شہر بھی بڑے ہوتے ہیں۔ کیونکہ صنعت و حرفت کی ترقی کا اصل مقام شہر ہی ہوتے ہیں۔ کیا بلحاظ اس کے کہ کارخانوں وغیرہ کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ مزدور شہروں میں رہ سکتے ہیں اور کیا بلحاظ اس کے کہ شہروں میں بوجہ کمپنیوں کے مرکز ہونے کے مشینیں اور صنعت و حرفت کے دوسرے سامان آسانی سے میسر آجاتے ہیں۔ اور کیا بلحاظ اس کے کہ روپیہ کمانے والے لوگ جن کے دل میں خدا کا خوف نہیں ہوتا ایسی جگہوں میں رہنا پسند کرتے ہیں جہاں کھانے پینے اور پہننے کے سامانوں کے علاوہ سینما (Cinema) تھیٹر (Theatre) اور سرکس (Circus) وغیرہ کا انتظام ہو۔ وہ کہتے ہیں روپیہ کمانے کی غرض تو یہ ہے کہ انسان عیش اور راحت سے زندگی بسر کر سکے۔ اگر روپیہ کے بدلہ میں راحت اور عیش میسر نہیں ہو سکتا تو روپیہ کمانے سے کیا فائدہ۔

پس ریلوں کی سہولتوں کی وجہ سے اور کارخانوں کی وجہ سے اور رہائش اور دوسرے سامانوں کے میسر آنے کی وجہ سے اور پھر بینکوں کی وجہ سے صنعت جب شہروں میں پھیلتی ہے تو ارد گرد کے علاقہ کے لوگ شہروں کی طرف دوڑتے ہیں۔ لیکن ہماری جماعت کے لوگ بجائے اِدھر اُدھر جانے کے قادیان کی طرف دوڑتے ہیں۔ اس لئے جہاں تک امیگریشن (Immigration) یعنی نقل مکانی کا سوال ہے ہماری جماعت کو دوسری اقوام کے ساتھ مشابہت نہیں۔ دوسرے لوگ خالص طور پر بڑے بڑے شہروں کی طرف خصوصًا دارالحکومت کی طرف نقل مکانی کرتے ہیں کیونکہ بینکوں کی وجہ سے اور سرکاری امداد میسر ہو سکنے کی وجہ سے جو سہولتیں وہاں حاصل ہوتی ہیں دوسرے چھوٹے شہروں میں اتنی سہولتیں صنعتی اور تجارتی ترقی کی حاصل نہیں ہوتیں۔ مگر جماعت احمدیہ کا بیشتر حصہ جب اپنے علاقہ کو چھوڑنا چاہتا ہے تو بجائے دوسرے شہروں کی طرف جانے کے وہ قادیان کی طرف دوڑتا ہے۔ لیکن قادیان کی آبادی کی ترقی اور لاہور کی جماعت کی معمولی ترقی کو ملا کر بھی اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ باوجود قادیان کی طرف میلان ہونے کے لاہور کی جماعت میں ایسی حرکت پیدا نہیں ہوئی جس کی قومی ترقی کے لئے ضرورت ہوتی ہے۔

میں جب ایک مذہبی تقریب پر انگلستان گیا تو راستہ میں فلسطین، شام اور لبنان کو بھی

دیکھا۔ لبنان جانا تو خیال ہی تھا کیونکہ لبنان میں داخل ہونے سے پہلے میں شدید بیمار ہو گیا تھا اور اسی حالت میں تھا جبکہ لبنان کو چھوڑا۔ اس لئے لبنان کو میرا دیکھنا نہ دیکھنے کے برابر تھا۔ لیکن فلسطین اور شام کو میں نے دیکھا۔ فلسطین میں یہودیوں کی اصل آبادی تو دو تین فیصدی تھی۔ مگر نقل مکانی کی وجہ سے جس کی غرض یہ ہے کہ چاروں طرف سے یہودیوں کو جمع کر کے لایا جائے اور ان کے آبائی وطن میں ان کو آباد کیا جائے اس کی وجہ سے دو تین فیصدی سے فلسطین میں یہودیوں کی آبادی دس فیصدی ہو گئی۔ اور مسلمانوں اور عیسائیوں کی آبادی کچھ تو یہودیوں کے کثرت سے آجانے سے اور ہم سمجھتے ہیں کہ کچھ طبقہ مسلمانوں اور عیسائیوں کا ایسا بھی تھا جو فلسطین کے جھگڑے سے ڈر کر شام یا دوسرے علاقوں کی طرف منتقل ہو گیا تھا اس لئے یہودیوں کی آبادی دس فیصدی ہو گئی اور مسلمانوں اور عیسائیوں کی آبادی نوے فیصدی رہ گئی تھی۔ بہرحال عیسائی اور مسلمان جو اُس وقت متحد تھے اور آج تک بھی متحد ہیں☆ فلسطین میں ان دونوں کی آبادی نوے فیصدی تھی اور یہودیوں کی آبادی دس فیصدی تھی۔

قوموں کی حرکت دیکھنے کا ذریعہ اسٹیشن ہوتے ہیں۔ جہاں پر لوگ آنے جانے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ اور جہاں پر پتہ لگ جاتا ہے کہ قوم کے اندر کیسی حرکت پائی جاتی ہے۔ تجارتیں کرنے والوں کو اِدھر اُدھر آنا جانا پڑتا ہے۔ ملازمتوں والے بھی اِدھر اُدھر دورے کرتے ہیں۔ صنعت و حرفت والوں کو بھی اپنے کام کے لئے دورے کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے اسٹیشنوں اور ریلوں کے ذریعہ پتہ لگ جاتا ہے کہ کسی قوم میں آبادی کے لحاظ سے حرکت پائی جاتی ہے یا نہیں۔ فلسطین کے ریلوے اسٹیشنوں پر مجھے اس بات کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا اور میں نے آبادی کے لحاظ سے دس فیصدی یہودیوں کو اسٹیشنوں پر نوے فیصدی کی تعداد میں دیکھا۔ اور آبادی کے لحاظ سے نوے فیصدی مسلمان اور عیسائی اسٹیشنوں پر دس فیصدی نظر آئے۔ یہ کوئی معمولی فرق نہیں بلکہ ایسا فرق ہے کہ شاید خطۂ زمین پر اور کسی جگہ نظر نہیں آسکتا۔

☆ یہ عجیب بات ہے کہ باقی تمام دنیا میں یہودی اور عیسائی مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنے آپ کو ایک سمجھتے ہیں۔ لیکن فلسطین کے عیسائی کُلّی طور پر مسلمانوں کے ساتھ اس بات میں متفق ہیں۔ اور وہ بھی یہی چاہتے ہیں کہ یہودیوں کو یہاں آباد نہ ہونے دیا جائے۔

پس قوموں میں حرکت بہت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں سفر کرنے اور سیر فی الارض کا بار بار ذکر آتا ہے۔ بعض مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید نے خالی سیر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ پہاڑوں، دریاؤں اور سمندروں کی سیر کیا کرو۔ رات کے وقت آسمان پر نظر ڈال کر ستارے دیکھ لیا کرو۔ اس سے زیادہ قرآن مجید کا اور کوئی مطلب نہیں۔ اور یہ سمجھنے والے بھی صرف ایک فیصدی ہیں باقی ننانوے فیصدی ایسے ہیں جو یہ بھی نہیں جانتے کہ قرآن مجید میں لکھا کیا ہے۔ قرآن مجید میں کئی جگہ آسمان کو دیکھنے اور ستاروں پر غور کرنے کا ذکر آتا ہے۔ قرآن مجید میں کئی جگہ پہاڑوں کو دیکھنے اور دریاؤں اور سمندروں کو دیکھنے اور ان پر غور کرنے کا ذکر آتا ہے۔ قرآن مجید میں کئی جگہ اس بات کا ذکر آتا ہے کہ جاؤ اور دنیا میں پھر کر دنیا کے حالات کا مطالعہ کرو۔ مگر مسلمانوں میں کتنے ہیں جنہوں نے کبھی آسمان پر اور ستاروں پر غور کیا ہے؟ ہزار میں سے ایک بھی نہیں بلکہ لاکھ میں سے ایک بھی نہیں۔ کتنے ہیں جنہوں نے پہاڑوں اور دریاؤں اور سمندروں پر کبھی غور کیا ہے؟ کتنے ہیں جنہوں نے دنیا میں پھر کر دنیا کے حالات کا مطالعہ کیا ہے؟ قرآن مجید میں اِس قسم کی آیات پڑھ کر اکثر مسلمان تو یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید میں یہ باتیں محض حُسنِ کلام کے طور پر ہیں۔ اس سے زیادہ اس کا اور کوئی مطلب نہیں۔ جس طرح غالب کے کلام میں یا ذوق کے کلام میں یا سودا کے کلام میں یا میر تقی کے کلام میں بعض باتیں محض تزئینِ کلام کے طور پر ہیں اور اس سے زیادہ اُن کی اور کوئی غرض نہیں اسی طرح اللہ میاں نے بھی قرآن مجید میں اِس قسم کی باتیں کہ جاؤ اور پہاڑوں کو دیکھو، جاؤ اور دریاؤں اور سمندروں کی سیر کرو اور ان پر غور کرو، آسمان اور آسمان کے ستاروں پر غور کرو محض کلام کو مزیدار بنانے کے لئے بیان کر دی ہیں ورنہ خدا کا یہ منشاء نہیں کہ آسمان اور آسمان کے ستاروں پر سچ مچ غور کیا جائے۔ یا پہاڑوں اور دریاؤں اور سمندروں پر غور کرو۔ پس جب وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس قسم کی باتیں محض حُسنِ کلام کے طور پر بیان کی گئی ہیں اس سے زیادہ اس کی اور کوئی غرض نہیں تو انہوں نے ان باتوں پر عمل کیا کرنا ہے۔ اور جب انہوں نے عمل نہیں کرنا تو قرآن کریم کی تعلیم سے انہوں نے فائدہ کیا اٹھانا ہے۔

تھوڑے دن ہوئے میں نے ایک فرانسیسی شخص کے لکھے ہوئے مضمون کا ایک اقتباس پڑھا۔ یہ شخص جہازوں کا افسر ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ میری ساری عمر جہازوں میں گزری۔ مجھے قرآن مجید دیکھنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا۔ ایک دن اتفاقاً سفر میں مجھے ایک شخص ملا جس کے پاس فرانسیسی یا ڈچ زبان میں قرآن مجید کی ایک کاپی تھی۔ اُسے لے کر میں نے کھولا تو اس میں سے پہلی جگہ جس پر میری نظر پڑی وہ یہ تھی کہ کافر کی زندگی ایسی ہوتی ہے جیسے رات کی تاریکی میں کوئی شخص سمندر میں سفر کر رہا ہو۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے ہوں اور سخت تاریکی ہو۔ گہرے سمندر میں ایک لہر کے بعد دوسری لہر اُٹھ رہی ہو اور بچاؤ کا کوئی سامان نظر نہ آتا ہو۔ بالکل یہی حالت کافر کی ہوتی ہے۔ وہ شخص لکھتا ہے کہ میں نے اسے بہت پسند کیا اور میں نے کہا کہ کسی اچھے تجربہ کار بحری نے نہایت عمدگی سے سمندر کے خطرات کو تھوڑے سے تھوڑے الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد جب مجھے معلوم ہوا کہ محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو سمندر کا سفر کرنے کا موقع ملنا تو الگ رہا آپ نے کبھی کسی چھوٹی کشتی میں بھی پاؤں نہ رکھا تو پھر میں نے کہا کہ یہ بات کہنے والی کوئی اَور ذات ہے۔ یعنی خدا جو سمندروں کے رازوں سے بھی واقف ہے اور میں نے اسلام کا مزید مطالعہ کیا اور میں مسلمان ہو گیا۔

پس یہ خیال کرنا جیسا کہ بعض مسلمان سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید میں اس قسم کی باتیں محض شاعرانہ رنگ میں حُسنِ کلام کے طور پر بیان کی گئی ہیں کہ پہاڑوں کو دیکھو، سمندروں اور دریاؤں کو دیکھو اور آسمان کے ستاروں کو دیکھو بالکل غلط ہے۔ قرآن مجید میں اس قسم کی باتیں محض حُسنِ کلام کے طور پر بیان نہیں کی گئیں بلکہ دنیا کی ہر ایک چیز کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ ان کو دیکھو اور ان پر غور کرو۔ اور ان سے سبق حاصل کرو۔ مگر ہم میں سے کتنے ہیں جو ان باتوں پر غور کرتے ہیں؟ بہت کم لوگ ہیں جو ان باتوں پر غور کرتے ہیں اکثر لوگ کنویں کے مینڈک کی طرح اپنے ماحول سے باہر نکلنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ اگر کوئی چیز انگشتانہ 1 میں رہ سکے۔ تو وہ اس انگشتانہ میں رہنے والی چیز ہیں۔ قرآن مجید ہمیں کسی ایک چیز پر بس نہیں کراتا بلکہ وہ ہمیں دنیا کے سارے علوم کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ میرے پاس بعض آدمی آتے ہیں

اور باتیں سننے کے بعد وہ یہ سوال کرتے ہیں کہ اچھا صاحب آپ نے یہ علم کہاں سے پڑھا ہے؟ جب میں انہیں جواب دیتا ہوں کہ میں نے سب کچھ قرآن مجید سے پڑھا ہے تو وہ حیران ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ میں نے جھوٹ بولا ہے۔ اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ اُس سے زیادہ نادان دنیا میں اور کوئی نہیں ہو سکتا جس کو یہ بھی پتہ نہیں کہ قرآن مجید میں دنیا کے سارے علوم پائے جاتے ہیں۔ اور جس طرح پودوں میں خدا تعالیٰ نے یہ طاقت رکھی ہے کہ وہ سورج کی روشنی میں سے کیمیائی مادے کھینچ لیتے ہیں جن سے ان کی نشو و نما ہوتی رہتی ہے اور آپ ہی آپ بڑھتے رہتے ہیں اِسی طرح قرآن مجید کے علوم میں بھی خدا تعالیٰ نے یہ مادہ رکھا ہے کہ اس کو پڑھ کر انسان دنیا کا ہر علم حاصل کر سکتا ہے۔

لاہور میں ایک دفعہ میرے پاس ایک عورت آئی وہ ایم اے میں فلاسفی پڑھتی تھی۔ مرد تو اس قسم کے بیہودہ سوال بہت کم کرتے ہیں مگر عورتیں ایسے سوال کر لیا کرتی ہیں۔ کم از کم مجھ سے سوائے ایک شخص کے کبھی کسی مرد نے ایسا سوال نہیں کیا۔ مگر اس عورت نے چُھوٹتے ہی مجھ سے پوچھا کہ آپ کیا کام کرتے ہیں؟ میں نے کہا کہ میں دین کی خدمت کرتا ہوں۔ کہنے لگی آپ کی تعلیم کہاں تک ہے؟ میں نے کہا میں تو پرائمری فیل ہوں۔ پھر اور باتیں شروع ہوئیں۔ میں اُس پر کوئی سوال کرتا جب وہ اُس کا جواب دیتی تو میں اُس پر جرح کرتا۔ تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگی۔ کیا آپ انگلستان اور امریکہ رہے ہیں؟ میں نے کہا میں صرف دو ماہ کے لئے انگلستان گیا تھا اور امریکہ میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ پھر اَور باتیں شروع ہوئیں۔ پھر شاید اُسے یاد آ گیا کہ باہر اس نے شیخ بشیر احمد صاحب کا بورڈ دیکھا تھا۔ اس پر کہنے لگی اچھا آپ ایڈووکیٹ ہیں؟ میں نے کہا میں کچھ بھی نہیں میں تو صرف قرآن مجید پڑھا ہوا ہوں۔

پس حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہر سچائی موجود ہے۔ اگر ہم قرآن مجید پر غور اور تدبر کریں تو کوئی ایسی ضرورت نہیں جو قرآن مجید میں پوری نہ ہوتی ہو۔ اگر ہم دنیوی علوم کے لحاظ سے جاہل مطلق بھی ہوں تب بھی قرآن مجید پر غور کرنے کے بعد اتنا علم ہمیں ضرور حاصل ہو جائے گا کہ ہم کسی مجلس میں شرمندہ نہیں ہوں گے۔ اور اگر ہم قرآن مجید پر غور اور تدبر کرنے کے عادی ہوں گے تو ہم اس کے علوم سے فائدہ اٹھائیں گے۔ مگر جیسا کہ میں نے

بتایا ہے مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید میں جو اس قسم کی باتیں بیان کی گئی ہیں کہ دنیا میں پھرو اور دنیا کے حالات کا مطالعہ کرو اور دریاؤں اور سمندروں اور پہاڑوں پر غور کرو یہ باتیں محض کلام کو زور دار بنانے کے لئے بیان کی گئی ہیں اس سے زیادہ ان کی اور کوئی غرض نہیں۔ حالانکہ قرآن مجید نے ان باتوں کو یونہی بیان نہیں کیا بلکہ قرآن مجید ہر مسلمان کو وہی پوزیشن دیتا ہے جو آجکل مسٹر چرچل یا روزویلٹ یا سٹالن کی ہے۔ اور فرماتا ہے کہ تم دنیا کی قوموں کی کامیابی پر نگاہ ڈالو اور غور کرو کہ ان کو وہ کامیابیاں کس طرح حاصل ہوئیں۔ اور جو قومیں دنیا میں گری ہیں ان کے گرنے کی وجوہ تلاش کرو اور سوچو کہ ان کے تنزل کے کیا اسباب تھے۔ جن قوموں نے ترقی حاصل کی ہے ان کو کون کونسی سہولتیں میسر تھیں جن کی وجہ سے انہوں نے ترقی کی۔ تم بھی وہ سہولتیں اور وہ سامان مہیا کرنے کی کوشش کرو۔ اور جو قومیں گر گئی ہیں ان کے گر جانے کے کیا اسباب تھے۔ اور کونسی خرابیاں تھیں جن کی وجہ سے ان کا تنزل ہوا۔ تم ان باتوں سے بچنے کی کوشش کرو۔ اسی طرح قرآن مجید علمِ جغرافیہ اور علمِ ہیئت کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ تم زمین و آسمان کو دیکھو اور ان پر غور کرو۔ ستاروں کو دیکھو اور ان پر غور کرو۔ تمہیں ان کے پیچھے اَور بہت سارے جہان نظر آئیں گے۔ یہ وہ چیز ہے جو قرآن مجید ہمیں سکھاتا ہے کہ زمین و آسمان کی ہر ایک چیز پر زیادہ سے زیادہ غور کرو۔ اِدھر تو قران مجید یہ کہتا ہے کہ لغو چیزوں سے پرہیز کرو اور اُدھر فرماتا ہے کہ آسمان اور ستاروں کو دیکھا کرو۔ اِس سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ آسمان اور ستاروں پر غور کرنا لغو نہیں بلکہ ان پر غور کرنے سے بہت سے علوم کھلتے ہیں۔ اِسی طرح اِدھر تو قرآن مجید فرماتا ہے کہ لغو کاموں سے پرہیز کرو اور اُدھر یہ فرماتا ہے کہ کھنڈرات کو دیکھو۔ تو صاف معلوم ہوا کہ کھنڈرات کو دیکھنا لغو نہیں بلکہ اس سے سبق حاصل ہوتا ہے اور معلومات وسیع ہوتے ہیں۔ اسی طرح اِدھر تو قرآن مجید یہ فرماتا ہے کہ لغو کاموں سے پرہیز کرو اور اُدھر فرماتا ہے کہ گزشتہ لوگوں کی تاریخوں پر غور کرو۔ اِدھر فرماتا ہے لغو کاموں سے پرہیز کرو اور اُدھر فرماتا ہے کہ قوموں کی ترقی اور تنزل کے اسباب پر غور کرو۔ تو معلوم ہوا کہ یہ ساری باتیں جن کے دیکھنے اور جن پر غور کرنے کا قرآن مجید نے حکم دیا ہے یہ لغو نہیں بلکہ ان کو دیکھنا اور ان پر غور کرنا ضروری ہے۔

بعض لوگ جہالت کے جوش میں آکر کہہ دیا کرتے ہیں کہ سیاحت کرنا لغو اور بے ہودہ ہے حالانکہ قرآن مجید نے ایک طرف لغو کاموں سے اِعراض کرنے کا حکم دیا ہے اور دوسری طرف یہ فرمایا ہے کہ دنیا میں چلو، پھرو اور دنیا کے حالات کو دیکھو۔ تو صاف معلوم ہو گیا کہ قرآن مجید ہر کام کی حد بندی کرتا ہے۔ وہی چیز جو اپنے دائرہ کے اندر مفید ہوتی ہے اپنے دائرہ سے باہر لغو ہو جاتی ہے۔ کیا اس صورت میں دین کا علم حاصل کرنا بھی لغو نہیں بن جاتا جب مولوی ساٹھ ساٹھ سال تک اپنی عمر پڑھنے میں گزار دیتے ہیں؟ جب میں عربی مدارس کا دورہ کرتے ہوئے رام پور گیا تو وہاں میں نے ایک افغانی طالب علم کو دیکھا جس کی عمر پچاس پچپن سال کی تھی اور بال سفید ہو رہے تھے۔ وہ بیٹھا بخاری پڑھ رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا آپ کیوں پڑھ رہے ہیں؟ اُس وقت تو سب کے سامنے اُس نے یہی جواب دیا کہ علم کو علم کی خاطر حاصل کرنا نیکی ہے لیکن میں بھی سمجھتا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے اور وہ بھی جانتا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ جب ہم وہاں سے باہر آئے تو وہ بھی ہمارے پیچھے باہر آگیا اور باہر آکر کہنے لگا کہ اصل بات یہ ہے کہ یہ علم جو ہم پڑھ رہے ہیں اِس کا دنیا میں کیا فائدہ ہے۔ اسے پڑھ کر کونسی نوکری مل جاتی ہے۔ مجھے پڑھائی ختم کئے تو پندرہ بیس سال ہو گئے ہیں لیکن میں ہر سال عمداً فیل ہو جاتا ہوں کیونکہ میں اس انتظار میں ہوں کہ یہاں کے بڑے مدرِّس صاحب فوت ہوں۔ جب وہ فوت ہو جائیں گے تو مَیں بھی پاس ہو جاؤں گا اور مجھے ان کی جگہ نوکری مل جائے گی۔ اب اس زندگی کا کیا فائدہ؟ بظاہر وہ دین کی کتابیں پڑھتا تھا، بخاری پڑھتا تھا، فقہ کی کتابیں پڑھتا تھا لیکن وہ یہ ساری کتابیں محض اس لئے پڑھتا تھا کہ اُس کا وقت کسی کام میں لگا رہے اور انتظار کرنا اُس پر شاق نہ گزرے۔ یہاں تک کہ استاد فوت ہو جائے اور اُس کی جگہ اُسے مل جائے۔ اب یہ کام ایسا ہی لغو تھا جیسا کہ سینما یا سرکس میں وقت گزارنا لغو ہے۔ بلکہ اس سے زیادہ لغو تھا کیونکہ ایک شخص سینما یا سرکس دیکھنے کے بعد آکر اَور کام شروع کر دیتا ہے مگر اس نے تو اپنی ساری عمر ہی سینما میں گزار دی۔ ساری عمر ہی سرکس میں گزار دی اور ساری عمر ہی عملی میدان میں قدم نہ رکھا۔ مرنے کے بعد جب خدا تعالیٰ اس سے سوال کرے گا کہ تم نے دنیا میں کیا کام کیا؟ تو وہ سوائے اس کے اور کیا جواب دے گا کہ حضور! میں نے اپنی

ساری عمر اس انتظار میں گزار دی کہ کب استاد مرے اور مجھے اس کی جگہ ملے۔

پس قرآن مجید نے عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ 2 کہہ کر ایک طرف یہ اشارہ فرمایا ہے کہ جس کام کا کوئی نتیجہ اور کوئی فائدہ نہ ہو وہ لغو ہے اُس سے مومن کو اعراض کرنا چاہیے اور دوسری طرف یہ ارشاد فرمایا ہے کہ سمندروں اور دریاؤں کی سیر کرو، صحراؤں اور میدانوں کو دیکھو اور دنیا کے حالات پر غور کرو جس سے معلوم ہوا کہ یہ کام لغو نہیں بلکہ ان کو دیکھنے سے علوم حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً قرآن مجید میں یہ ذکر آتا ہے کہ قافلے صحراؤں میں رستہ بھول جاتے ہیں اور صحرا میں چلتے چلتے انسان اپنے سامنے دیکھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ سامنے جھیل ہے اور چمکتا ہوا پانی اسے نظر آتا ہے مگر جب وہاں پہنچتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جھیل نہیں بلکہ سفید ریت ہے۔ اور چمکتا ہوا پانی نہیں بلکہ سورج کی شعاعیں ہیں جو ریت کے اوپر تپ رہی تھیں۔ اور ایسے رنگ میں ریت پر روشنی ڈال رہی تھیں کہ دور سے دیکھنے والا اسے پانی سمجھتا تھا۔ ایسا ہی ان لوگوں کا حال ہوتا ہے جو جھوٹی دنیا اپنے دل میں بساتے ہیں اور جھوٹی امیدیں اور جھوٹی امنگیں اور جھوٹے مقاصد کو اپنے سامنے رکھ کر ان کو حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی عمر کا زمانہ ختم ہو جاتا ہے اور ان کی امیدیں اور امنگیں سراب کی طرح ثابت ہوتی ہیں۔ جس طرح سراب کو دور سے پانی سمجھنے والا جب اس کے پاس پہنچتا ہے تو پانی کی بجائے چمکتی ہوئی ریت پاتا ہے اسی طرح وہ شخص جو جھوٹی امیدوں اور جھوٹی امنگوں میں اپنی ساری عمر گزار دیتا ہے زندگی کے خاتمہ پر مایوسی کے گڑھے میں گر جاتا ہے۔ اور اس کی تمام امیدیں اسے سراب معلوم ہوتی ہیں جسے وہ پانی سمجھ رہا تھا۔ اب یہ نظارہ ایک لاہور میں رہنے والا کس طرح قیاس میں لا سکتا ہے جس نے کبھی سراب دیکھا ہی نہیں کہ کس طرح صحرا کی ریت دور سے شفاف پانی نظر آتی ہے جس کو دیکھ کر پیاسا آدمی اس کی طرف دوڑنے لگتا ہے۔ جب اس نے یہ نظارہ دیکھا ہی نہیں تو وہ قرآن مجید کے اس مضمون کو سمجھنے کی کوشش میں ناکام رہے گا اور خیال کرے گا کہ قرآن مجید کوئی ایسی بولی بول رہا ہے جسے میں نہیں سمجھ سکتا۔ اسی طرح قرآن مجید میں کافر کی زندگی کو جو سمندر کے طوفان سے مشابہت دی گئی ہے اس مثال کو وہ شخص کس طرح سمجھ سکتا ہے جس نے کبھی سمندر نہ

دیکھا ہو کہ اس میں طوفان اٹھ رہا ہو، بجلیاں چمک رہی ہوں، سمندر کا پانی جہاز کے اوپر سے کُود کُود کر اسے اپنی گود میں لے رہا ہو۔ جہاز ڈوب جائے اور یہ شخص سمندر میں غوطے کھاتا ہوا بچنے کی کوشش کر رہا ہو۔ لیکن نہ دائیں اور نہ بائیں، نہ آگے اور نہ پیچھے بچاؤ کا کوئی سامان نظر نہ آتا ہو۔ اس کے دائیں بھی پہاڑ کی سی ایک لہر اُٹھ رہی ہو اور بائیں بھی پہاڑ کی سی ایک لہر اٹھ رہی ہو۔ اس کے سامنے بھی پہاڑ کی سی ایک لہر اٹھ رہی ہو اور پیچھے بھی پہاڑ کی سی ایک لہر اٹھ رہی ہو۔ اور یہ سمجھ رہا ہو کہ اس کے ساتھیوں کو سمندر کھا گیا ہے اور ان میں سے کوئی باقی نہیں بچا۔ حالانکہ واقع یہ ہو کہ اس سے دس فٹ کے فاصلہ پر یہی جذبات اُس کے ساتھی کے دل میں پیدا ہو رہے ہوں گے اور اِن دونوں کو ایک دوسرے کا پتہ نہیں ہو گا کیونکہ ان کے درمیان پہاڑ کی سی ایک لہر حائل ہو گی۔ یہ تمام نظارے جب تک کسی شخص نے سمندر کا سفر نہ کیا ہو اُس وقت تک اس کے قیاس میں بھی نہیں آسکتے۔ اِسی طرح بہت سے انسان آسمان کی طرف اِس طرح دیکھتے ہیں جس طرح مُقَیش 3 والے دوپٹہ کی طرف دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ آسمان ایک نیلی چادر ہے جس میں سفید سفید مُقَیش لگی ہوئی ہے اور وہ اس کی بیک گراؤنڈ (Background) پر نظر نہیں کرتے۔ اور اس احساس سے آسمان پر غور نہیں کرتے کہ اس کے پیچھے کیا ہے۔ اور غور نہیں کرتے کہ درحقیقت اَن گِنت میلوں وسیع علاقہ میں یہ ستارے پھیلے ہوئے ہیں اور آسمان میں اس طرح تیرتے پھرتے ہیں جس طرح ایک پھدڑ 4 ایک وسیع سمندر میں تیرتی پھرتی ہو۔ پس جب تک کوئی شخص ان تمام باتوں پر غور نہ کرے وہ خدا تعالیٰ کی قدرتوں کا اندازہ کس طرح لگا سکتا ہے۔

آجکل کے مسلمانوں نے ان باتوں پر غور کرنا چھوڑ دیا ہے لیکن اس زمانہ میں جب کہ نہ تاریں تھیں اور نہ ریلیں ایک مسلمان عرب سے اٹھتا تھا اور بغیر روپیہ اور بغیر سامانوں کے دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھر جاتا تھا۔ ابن بطوطہ سپین سے چلا اور افریقہ کا دَورہ کرتا ہوا مڈل ایسٹ میں سے ہوتا ہوا ایران آیا۔ ایران سے افغانستان اور افغانستان سے ہندوستان اور ہندوستان سے پھر چین پہنچا اور پھر اپنے ملک واپس جا کر ایک کتاب لکھی اور اُس زمانہ کے حالات کا حیرت انگیز نقشہ کھینچا۔ گو بعض باتیں اس نے ایسی بھی لکھی ہیں کہ اُن میں

مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ اور بعض باتیں ایسی بھی ہیں جو بظاہر اُس زمانہ کے لحاظ سے صحیح معلوم نہیں ہوتیں۔ لیکن ممکن ہے اس قسم کی باتیں اُس زمانہ میں ہوتی ہوں۔ تو مسلمان نکلتے تھے اور دنیا کے کونوں میں پھیل جاتے تھے۔ اس لحاظ سے دیکھیں تو لاہور کی جماعت کی ترقی بالکل محدود اور کیلے سے بندھی ہوئی نظر آتی ہے۔ حالانکہ ہماری مثال تو اُس بادل کی ہے جو کبھی ایک جگہ پر نہیں ٹھہرتا۔ کبھی تم نے دیکھا ہے کہ بادل کیلے سے بندھا ہوا ہو؟ لیکن وہ شخص جو اپنے ماحول سے باہر نہیں نکلتا اور کیلے سے بندھا رہتا ہے۔ گھر سے دفتر چلے جانا اور دفتر سے گھر آجانا یہی اُس کی زندگی ہے۔ وہ ہر جگہ برسنے والا بادل نہیں بلکہ پنجرے کا قیدی ہے۔ وہ طوطا یا بَیّا 5 ہے جو کبھی اپنے قفس سے باہر نہیں نکلا۔ حالانکہ مومن تو ان بادلوں کی طرح ہوتا ہے جو ایک وقت کلکتہ پر برس رہے ہوں تو دوسرے وقت کراچی پر موسلا دھار بارش برسا رہے ہوں۔ پس جب تک یہ بیداری پیدا نہ ہو، جب تک مومن کی یہ حالت نہ ہو کہ اُس کو ایک جگہ پر بیٹھنا دوبھر معلوم ہو اُس وقت تک صحیح رنگ میں تبلیغ بھی نہیں ہوسکتی۔

صحیح تبلیغ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مومن کے اندر ایسا مادہ پایا جائے جو اسے کبھی نچلا نہ بیٹھنے دے۔ اور وہ یہ سمجھے کہ اگر ایک منٹ کے لئے بھی میری حرکت بند ہوگئی اور میں بیٹھ گیا تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام لکھتے بھی تھے تو چل پھر کر۔ آپ دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں کمرے کے اندر چلتے جاتے تھے اور لکھتے جاتے تھے۔ مولوی برہان الدین صاحب ذکر کیا کرتے تھے کہ جوانی میں ہم نے سنا کہ قادیان میں ایک شخص پیدا ہوا ہے جو قرآنی علوم کا بڑا ماہر ہے اور اُس نے آریوں اور عیسائیوں کو ان کے اعتراضات کے خوب جواب دیئے ہیں۔ اُس وقت ابھی حضور علیہ السلام نے دعویٰ نہیں فرمایا تھا۔ جب ہم نے آپ کا ذکر سنا تو خواہش پیدا ہوئی کہ اس شخص کی زیارت ضرور کرنی چاہیے۔ چنانچہ میں جہلم سے چل پڑا اور قادیان پہنچا۔ قادیان آکر معلوم ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کسی کام کی وجہ سے گورداسپور تشریف لے گئے ہیں۔ میں بھی گورداسپور چلا گیا اور پوچھ پاچھ کر اُس مکان پر پہنچا جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام ٹھہرے ہوئے تھے۔ کمرے کے دروازے پر چِک لٹک رہی تھی اور باہر شیخ حامد علی صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے اُن سے

ذکر کیا کہ میں حضرت صاحب کی زیارت کے لئے آیا ہوں۔ وہ کہنے لگے کہ اندر جانے کی اجازت نہیں حضور کتاب لکھ رہے ہیں۔ اور حضور نے منع فرمایا ہوا ہے کہ کوئی شخص اِس وقت میرے پاس نہ آئے۔ مولوی برہان الدین صاحب سنایا کرتے تھے کہ میں نے بہت لجاجت سے حامد علی صاحب سے کہا کہ صرف اتنی اجازت دے دو کہ چِک اٹھا کر جھانک لوں۔ مگر انہوں نے اس کی بھی اجازت نہ دی اور کہا کہ حضور ایک کتاب کا مسودہ لکھ رہے ہیں ان کا حکم ہے کہ کسی کو اندر نہ جانے دیا جائے۔ میں نے بہت منت سماجت کی کہ میں صرف حضور کی زیارت کے لئے بڑی دور سے آیا ہوں مجھے صرف ایک نظر اندر جھانک کر دیکھ لینے دو تمہاری بڑی مہربانی ہوگی۔ مگر انہوں نے ایک نہ مانی۔ آخر میں ان کے پاس بیٹھ گیا اور سوچ رہا تھا کہ اِتنی دور سے آیا ہوں اب زیارت کئے بغیر جانا ٹھیک نہیں۔ میں اِس تاڑ میں بیٹھا رہا کہ حامد علی صاحب ذرا اِدھر اُدھر ہوں تو میں اندر جھانک کر حضور کی زیارت کرلوں۔ اتفاقاً کسی شخص نے اُن کو آواز دی اور وہ اُدھر چلے گئے۔ میں نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر چِک اٹھا کر اندر جھانکا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کمرے کے اندر جلدی جلدی چل رہے تھے اور ساتھ ساتھ لکھتے بھی جاتے تھے۔ جس وقت میں نے آپ کو دیکھا اُس وقت دروازے کی طرف آپ کی پیٹھ تھی۔ لیکن پیشتر اِس کے کہ میں اچھی طرح سے آپ کو دیکھوں اتنی دیر میں آپ واپس لَوٹ چکے تھے۔ میں ڈر کے مارے بھاگا کہ کہیں آپ دیکھ نہ لیں۔ اُس وقت میں نے آپ کو دیکھ کر یہی نتیجہ نکالا کہ جو شخص اتنا تیز تیز چلتا ہے اس نے بہت دور جانا ہے۔ یہ اُس زمانہ کی بات ہے جب کہ آپ نے ابھی دعویٰ نہیں کیا تھا صرف آپ کے مضامین اور آپ کی کتابیں شائع ہوئی تھیں۔ آپ کو ایک عالم اور بزرگ مانا جاتا تھا۔ اُس زمانہ میں مولوی برہان الدین صاحب پر آپ کے تیز تیز چلنے کا یہ اثر تھا کہ اِس شخص نے کسی بڑی منزل پر جانا ہے۔ اب بظاہر یہ بچوں والی بات معلوم ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ صحیح ہے کہ جس شخص کے اندر بڑھنے اور ترقی کرنے کا مادہ ہوگا اُس کے اندر بے کلی بھی ضرور پیدا ہوگی۔ اور ہو نہیں سکتا کہ وہ اطمینان سے ایک جگہ بیٹھا رہے۔ وہ کبھی نچلا نہیں بیٹھے گا۔ وہ کبھی اِدھر حرکت کرے گا اور کبھی اُدھر حرکت کرے گا۔ اور بیٹھا ہوا بھی ہوگا تو اپنے بڑھنے کی ہزاروں تدبیریں سوچتا رہے گا اور

کسی وقت خالی نہیں بیٹھے گا۔ وہ شخص جو نچلا ہو کر بیٹھ رہتا ہے۔ اس کی حالت اسی طرح ہے جس طرح کچی سڑکوں پر چلنے والا چھکڑا ہوتا ہے۔ بعض دفعہ چھکڑے پر بیٹھا ہوا مالک سو جاتا ہے اور چھکڑا چلتا جاتا ہے۔ اور بعض دفعہ بیل بھی سو جاتے ہیں اور چھکڑا کھڑا ہو جاتا ہے۔ جن افراد کی حالت اس قسم کی ہو وہ کبھی کسی بڑے مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

پس لاہور کی جماعت کو احمدیت کے لحاظ سے بہت زیادہ ترقی کی ضرورت ہے اور بہت زیادہ حرکت کی ضرورت ہے۔ ایسی حرکت جو اس کے گرد وپیش والوں کو بھی ہلا دے۔ جس شخص کے اندر حرکت پائی جائے اُس کے گرد وپیش کی چیزیں بھی ضرور ہلتی رہتی ہیں اور ہِل کر بیداری اور جوش پیدا کر دیتی ہیں۔ پس اپنے اندر ایسی زندگی اور ایسی بیداری پیدا کرو کہ لاہور کے جس کُوچے اور جس محلہ میں سے تم گزرو لوگ یہ محسوس کریں کہ یہ زندہ انسان ہے جو دوسروں کو ہِلا دے گا اور سوتوں کو جگا دے گا۔ پس میں اپنے دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنے اندر بیداری پیدا کریں۔ وہ بیداری جو قرآن مجید تمہارے اندر پیدا کرنا چاہتا ہے۔ وہ بیداری جو کبھی ایک جگہ نہیں رہنے دیتی بلکہ اٹھائے اٹھائے آسمان پر لے جاتی ہے۔ اس سے بھی آگے جہاں جیالوجی (Geology) اور طبقاتُ الارض والوں کی تھیوریاں ختم ہو جاتی ہیں جو فلسفی کی طرح ذروں پر تسلی نہیں پاتی۔ بلکہ کہتی ہے اِلٰی رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا[6] اور آگے چل۔ ان ذروں سے آگے اور غیر محدود ہستی ہے۔

میرے پاس ایک دفعہ ایک شخص آیا۔ کہنے لگا میں پیر ہوں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا فرمایئے۔ کہنے لگا اگر کوئی شخص اپنے دوست سے ملنے کے لئے جائے اور دوست کے دروازے پر پہنچ کر بھی سواری پر ہی بیٹھا رہے تو آپ کا کیا خیال ہے کہ اُس کو سواری پر بیٹھا رہنا چاہیے یا نیچے اتر آنا چاہیے؟ یا ایک شخص کشتی میں بیٹھ کر دریا پار کر رہا ہو تو کیا کنارے پر پہنچ کر اُس کو کشتی میں بیٹھا رہنا چاہیے یا نیچے اتر آئے؟ اللہ تعالیٰ کی میرے ساتھ یہ سنت ہے کہ وہ مجھے سوال کرنے والے کا مطلب سمجھا دیا کرتا ہے کہ اِس سوال کی تہہ میں اصل غرض کیا ہے میں اُس کے سوال کا مطلب سمجھ گیا کہ وہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ عبادت تو ایک قسم کی سواری ہے جو شخص خدا تک پہنچ جائے اُس کو عبادت کی ضرورت نہیں۔ میں نے اس کو

جواب دیا کہ اگر اُس دریا کا کوئی کنارہ ہے اور کنارہ پر پہنچ کر بھی یہ شخص کشتی میں بیٹھا رہے گا تو بے وقوف ہو گا لیکن اگر یہ ایسے دریا میں سفر کر رہا ہے جس کا کوئی کنارہ ہی نہیں تو جہاں اُترا وہیں ڈوبا۔ وہ شرمندہ سا ہو کر کہنے لگا اچھا! یہ بات ہے۔ جھوٹے صوفیا کا یہ خیال ہے کہ نماز ایک سواری ہے جب تک خدا نہ ملے اُس وقت تک نماز پڑھنے کی ضرورت ہے اور جب خدا مل گیا پھر نماز کی کوئی ضرورت نہیں۔ ان کے نزدیک بزرگی کی یہ علامت ہے کہ فلاں بزرگ نے نماز چھوڑ دی مگر ہمارے نزدیک وہ کافر ہو گیا اور ان کے نزدیک نماز چھوڑ دینے سے وہ بزرگ ہو گیا۔

پس مومن کا یہ کام نہیں کہ وہ کسی ایک مقام پر کھڑا ہو جائے۔ وہ دائیں بھی دیکھتا ہے اور بائیں بھی دیکھتا ہے، آگے بھی دیکھتا ہے اور پیچھے بھی دیکھتا ہے مگر آخری نقطہ اپنے رب کو سمجھتا ہے۔ وہ کسی ذرے پر کھڑا نہیں ہوتا بلکہ ان کے پیچھے ایک غیر محدود ہستی کو دیکھتا ہے۔ پس انسان کے لئے خدا تعالیٰ نے کوئی ایسا مقام تجویز نہیں کیا جہاں وہ ٹھہر جائے۔ مومن وہی ہے جس میں دائمی حرکت پائی جائے۔ جس میں دائمی حرکت نہ پائی جائے وہ مسلمان نہیں۔ اور جو مسلمان نہیں وہ خدا کو بھی پسند نہیں۔" (الفضل 12 مارچ 1945ء)

1: **انگشتانہ**: اُس آلہ کو کہتے ہیں جسے کپڑا سینے کے وقت درزی اپنی انگلی میں پہن لیتے ہیں۔

2: المومنون: 4

3: **مُقَیش**: سونے چاندی کے تاروں کا بنا ہوا کپڑا جیسے زری۔

4: **بِھدرڑ**: چھوٹی سی مچھلی کو پنجابی میں بِھدرڑ کہتے ہیں۔

5: **بیّا**: چڑیا کی طرح کا ایک پرندہ جس کا گھر بنانا بڑا مشہور ہے۔

6: عبس: 45